نظرِ ثانی: ۱۹۴۳ء / ۱۹۶۲ء

(۱۹۴۳ء میں فلسفۂ غم کے عنوان سے امامیہ مشن لاہور نے۔ اور اس سے پہلے ۱۹۴۲ء میں شیعہ اسکول جونپور نے شائع کیا)

غم ہے تحریکِ عمل غم ہے سرانجامِ عمل — غم کی تلخی بشریت کے لیے جامِ عمل
غم ہے احساس اور احساس ہے پیغامِ عمل — غم سے محروم ہے جو دل وہ ہے ناکامِ عمل
نظمِ فردا کے لیے۔ عزم کا ڈھانچا یہ ہے
جس میں ڈھلتے ہیں رضاکار وہ سانچا ہے

ہے مشیت کا عطیہ خلشِ نشترِ غم — چشمِ ظاہر میں ستم۔ دیدۂ باطن میں کرم
جوششِ عیش و طرب ہے کوئی لمحہ کوئی دم — غم۔ رفیقِ دل و جاں ہے۔ ابدیت کی قسم
بحرِ آفات کا جاں بخش کنارا ہے یہی
ڈوبتے کے لیے تنکے کا سہارا ہے یہی

ہے یہی محفلِ ہستی کا ازل سے دستور — غم کے احساس سے کمتر ہو مسرت کا شعور
آدمی ہوتا ہے جب حد سے زیادہ مسرور — فطرتِ غم کا وہیں غیب سے ہوتا ہے ظہور
دل کے لبریز پیالے جو چھلک جاتے ہیں
اشک ہنستی ہوئی آنکھوں سے نکل آتے ہیں

شادی و غم کا یہ ہے باغِ جہاں میں معمول — اشک بہہ جاتے ہیں شبنم کے۔ اگر ہنستے ہیں پھول
نغمۂ عیش کے مخصوص ہیں اوقات و اصول — بلبلِ زار کے نالے ہیں ہمیشہ مقبول،
عشق رسمی نہ رہے۔ حسنِ رواجی نہ رہے
نکہتِ گل میں جو آشفتہ مزاجی نہ رہے

فطرتِ عشق تو مشہور ہے خود دردنواز — حسنِ معصوم بھی ہے زیورِ غم سے ممتاز
چرخ پر مہرِ درخشاں۔ ہمہ تن سوز و گداز — دل کے اک داغ پہ مہتابِ جہانتاب کو ناز
دامنِ چاک گریباں میں سحر پلتی ہے
شمع بھی زینتِ محفل ہے اگر جلتی ہے

ہم نے مانا طرب انگیز طبیعت ہے سرور　　جوش کھاتا ہے لہو جس سے ۔ وہ غم کا ہے وفور
قہقہہ جا کے کسی حد پہ ٹھہرتا ہے ضرور　　غم مگر روح کے ہمراہ ہے تا حدِّ شعور

دل میں جو درد رکھے عاقل و فرزانہ ہے
جو ہنسا کرتے ہیں سب کہتے ہیں دیوانہ ہے

نظم عالم سے ہے دلدوزیِ غم کا اثبات　　عیش اندوز ہے دن اور سیہ پوش ہے رات
غم سے تحریک میں رہتے ہیں ہمیشہ جذبات　　یہ جو مٹ جائے تو رک جائے ابھی نبضِ حیات

ہے خوشی دل کا سکوں اور سکوں خوابِ عمل
غم خلش اور خلش جنبشِ مضرابِ عمل

عیش وہ جام کہ مستی کا اثر لاتا ہے　　غم وہ خنجر کہ دل و روح کو تڑپاتا ہے
لاکھ میٹھی ہو خوشی دل ہے کہ بھر جاتا ہے　　غم چھڑکتا ہے نمک بھی تو مزہ آتا ہے

داند آنکس کہ بہ پہلو دلِ غمگیں دارد
صبر تلخ است ولیکن برِ شیریں دارد

گریۂ غم سے ہے یوں فطرتِ انساں شاداب　　جس طرح قطرۂ شبنم سے شگفتہ ہو گلاب
دل بہت ہوتا ہے جب دردِ نہاں سے بیتاب　　اُف کے شعلے پہ تڑپتا ہے عمل کا سیماب

عیش جاگے ہوئے جذبے کو سُلا دیتا ہے
درد۔ سویا ہوا احساس جگا دیتا ہے

اشک اور آہ سے ممکن نہیں دنیا میں مفر　　گلشنِ دہر میں روتا ہوا آتا ہے بشر
دستِ دایہ میں نہ روئے کوئی مولود اگر　　عین شادی میں گہربار ہو چشمِ مادر

رونے والوں کو نہیں، وجہِ ندامت رونا
نوعِ انساں کے ہے جینے کی علامت رونا

زندگی جن کی نظر میں ہے حیاتِ عشرت　　جو تبسم کو سمجھتے ہیں متاعِ راحت
خندۂ گل کو تو دیکھیں وہ بچشمِ عبرت　　گلِ رعنا کی ہنسی ۔ برقِ بلا کی دعوت

پایا ہنسنے کا صلہ ۔ خوب گلِ رنگیں نے
مسکرایا وہ جونہی توڑ لیا گلچیں نے

خندہ وگریہ ہے گو لازمۂ نوعِ بشر — ماتم و عیش میں اک فرق نمایاں ہے مگر
مسکراہٹ ہے عرض۔ اشکِ عزا ہے جوہر — وہ تصنع یہ حقیقت۔ وہ توقع یہ ثمر
فلسفی کوئی بھی ہو۔ غم کا وہ ہمراز نہیں
دل کا جذبہ ہے سُبکا، عقل کی پرواز نہیں

غم بہر حال ہے رازِ بشریت کا امیں — غمِ جاناں۔ غمِ انساں۔ غمِ دنیا۔ غمِ دیں
تپشِ دل سے ہے خالی کوئی ذی روح کہیں — ہاں وہی غم سے تہی ہے جسے احساس نہیں
لاکھ بے حس ہو کوئی۔ اس پہ بھی غم طاری ہے
انتہا یہ ہے کہ پتھر میں بھی چنگاری ہے

آدمی ہوتا ہے جب حد سے زیادہ دلتنگ — اشک بن جاتے ہیں بیداریٔ فطرت کی اُمنگ
یہ بدل دیتے ہیں ہستی کے خد و خال کا رنگ — صاف ہو جاتا ہے آئینۂ احساس کا زنگ
قلب یوں اشکِ مسلسل سے سنور جاتے ہیں
جیسے بارش میں چمن دُھل کے نکھر جاتے ہیں

آنکھ میں آتے ہیں جب دل سے چھلک کر آنسو — بن کے سیماب تڑپتا ہے رگ و پے میں لہو
واقعہ یہ ہے کہ ہیں اشک وہ زندہ جادو — جن میں فطرت کے جھلکتے ہیں ہزاروں پہلو
بہتے بہتے کبھی عارض پہ جو آ جاتے ہیں
دل میں یہ مردمِ بینا کے سما جاتے ہیں

دیکھ اے دیدۂ بینا۔ یہ گہر ہیں انمول — رول۔ یہ اشک نہیں۔ گوہرِ نایاب ہیں رول
راز کھل جائیں گے فطرت کے ذرا آنکھ تو کھول — تولنا ہے تو فقط نوکِ مژہ پر انہیں تول
بے زباں ہیں۔ یہ زبانِ دلِ آشفتہ ہیں
صدفِ قلب کے گویا دُرِ ناسفتہ ہیں

علمِ نفسِ بشری کا ہے تقاضا پیہم — ڈوب جا بحرِ الم میں تو ملے فطرتِ غم
بارگاہِ احدی میں جو سرِ عجز ہے خم — جذبۂ غم کی بدولت ہے۔ مشیت کی قسم
عیش میں زُہد بھی معبود سے پھر جاتا ہے
غم میں کافر کو بھی اللہ ہی یاد آتا ہے

نشۂ عیش سے جب روحِ بشر ہو سرشار — عقل و ادراک پہ طاری ہو جوانی کا خمار
ہمہ تن ولولۂ زلف و مذاقِ رخسار — ساغرِ عیش بکف لیلئ عشرت بکنار

ایسے عالم میں جو دل غم میں کہیں گھر جائے
وہ لگے سیلیِ احساس کہ منہ پھر جائے

جتنا ہوگا۔ یہ غم و درد کا گہرا احساس — نام سے بھی طرب و عیش کے آئے گا ہراس
قصدِ عصیاں پہ یہی قلب کو ہوگا وسواس — جیسے بیٹھا ہے کوئی ٹوکنے والا مرے پاس

سرکشی حق سے جہاں نفسِ دنی کرتا ہے
غم گناہوں کی وہاں بیخ کنی کرتا ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ گریہ ہے شجاعت کے خلاف — اُن کا یہ دعوےٰ باطل ہے حقیقت کے خلاف
یہ نہ فطرت کے مخالف ہے نہ عادت کے خلاف — ہاں اگر ہو تو یہ مستی و غفلت کے خلاف

عشقِ پُرجوش میں ذوقِ دلِ حساس بھی ہے
ہم بھی اے کاش وہاں ہوتے یہ احساس بھی ہے

نظمِ قدرت کے ہیں یہ راز بھی کیا معنی خیز — جذبۂ غم کو ہیں فطرت کے مناظر مہمیز
دردِ فرقت کی کسک ہوتی ہو گلزار میں تیز — چاندنی باعثِ تسکیں ہے۔ مگر غم آمیز

دل کی دھڑکن سی نجومِ فلک افروز میں ہے
غم۔ وہ نغمہ ہے کہ ہر ساز میں ہر سوز میں ہے

یہ عطیہ ہے بقدرِ طلبِ اہلِ ہمم — تنگ ظرفوں کے مقدر میں کہاں نعمتِ غم
کیا خس و خار کریں جورِ خزاں کا ماتم — غنچہ و گل پہ ہے گلچیں کی فقط چشمِ کرم

پھول تو پھول ہیں۔ کانٹے ہیں یہ کس دن کے لیے
نہ بہار ان کے لیے ہے نہ خزاں ان کے لیے

موجِ کج رو کو نہیں حلقۂ گرداب کا ڈر — اپنی والا گہری سے ہیں بلاؤں میں گہر
فکرِ جوہر میں تراشے نہیں جاتے پتھر — یہ تو ہیرے کا کلیجہ ہے۔ زمرّد کا جگر

غم ہے اتنا ہی سوا۔ جس کا شرف جتنا ہے
خار پھولوں میں بھی ہیں۔ عطر میں بھی فتنا ہے

موِرِ بے مایہ نہیں دامِ بلا میں نخچیر
یہ تو شاہیں کی قسمت کی ہے۔ ہُما کی تقدیر
کب ہے سوزن کے مقدر میں بکش ادر بگیر
موت کے مُنہ میں در آتی ہے چمکتی شمشیر

دستِ صیّادِ جفا جو نہیں ماتم کے لیے
غم ہمارے لیے زیبا ہے تو ہم غم کے لیے

غم کی تحریک سے گو روحِ عمل ہے توأم
پھر بھی ہر غم سے نہیں گیسوئے فطرت برہم
مر مٹے راہِ خدا میں جو شہیدانِ ستم
غیر فانی ہے جو ماتم تو انہیں کا ماتم

پائیداری کی کوئی حد ہے نہ اندازہ ہے
آج تیرہ سو برس بعد یہ غم تازہ ہے

بھول سکتا ہے کوئی کرب و بلا کا احوال؟
زخمِ تن۔ تشنہ لبی۔ موت۔ غمِ اہل و عیال
مامتا ماؤں کی وہ فدیۂ عرفانِ کمال
روشِ صبر سے وہ باپ کی فطرت پامال

نوکِ خنجر سے ہر اک دل کی گرہ کھلتی تھی
اِن جفاؤں کی ترازو میں وفا تلتی تھی

امتحانِ بشریّت کی یہی ہے میزان
خوف اور بھوک زر و مال و ثمر کا نقصان
جان کیا مال ہے۔ اولاد کا خطرہ ہر آن
صبر ایسے میں ہے تکمیلِ بشر کی پہچان

شکوے کرتے ہی نہیں غم کی فراوانی کے
کارنامے ہیں یہی جذبۂ ایمانی کے

مرضیِ حق کی بشارت ہے اُسی کی خاطر
جان دے یوں جو فقط دینِ نبی کی خاطر
آپ غم جھیلے۔ زمانے کی خوشی کی خاطر
دل کے ٹکڑوں سے کرے ظلم شقی کی خاطر

غیر شبیر۔ تو ایسا کوئی جرّار نہیں
غم کے حلقے میں ہے اور غم میں گرفتار نہیں

کون شبیر۔ وہ خورشیدِ ضیا بارِ عمل
گلِ بُستانِ علی۔ نزہت گلزارِ عمل
پیکرِ صبر و سکوں۔ کوہِ گراں بارِ عمل
خود سرِّ اسرار۔ مگر محرمِ اسرارِ عمل

جو محمد بھی ہے اور حیدرِ کرّار بھی ہے
صبر کی ڈھال بھی ہے حِلم کی تلوار بھی ہے

کون شبیر۔ وہ اک آئینۂ ذات وصفات — تشنگی جس کی ہے سیرابیٔ گلزارِ حیات
زندگی جس کی ہے اخلاص کی اک نہرِ فرات — بیکسی جس کی ہے اک فوجِ ظفر موجِ ثبات
کلمۂ حق کی ہے بنیاد شہادت اس کی
جب تو مانی ہے نبوت نے امامت اس کی

پیکرِ علم میں جو روحِ عمل ہے وہ حسین — تا ابد خلق میں جو نورِ ازل ہے وہ حسین
جس کا غم عقدۂ تقدیر کا حل ہو وہ حسین — جس کا دم خونِ شریعت کا بدل ہو وہ حسین
جس کے سجدے سے جبیں وقت کی تابندہ ہے
جب تک اسلام ہے زندہ وہ یہاں زندہ ہے

زیر دستوں پہ نہ جابر نہ زبردست سے زیر — سیر چشمی کا یہ انداز کہ جینے سے بھی سیر
نازپروردۂ زہرا اسد اللہ کا شیر — وہ مجاہد وہ سپاہی وہ دلاور وہ دلیر
دبنے والا نہ کسی سے نہ اکڑنے والا
ظلم کو صبر کی رسّی میں جکڑنے والا

جانِ زہرا و علی شانِ رسولِ مدنی — فقر میں دولتِ اخلاق پیمبر سے غنی
مالکِ صبر و رضا وارثِ شمشیر زنی — سُور۔ ساونت۔ جری جرأت و ہمت کا دھنی
ظلم سے دب کے نہ ظالم سے کبھی ڈر کے رہا
منہ سے حق بات جو کہہ دی تھی اُسے کر کے رہا

وہی غازی، وہی جانباز، وہی ذبحِ عظیم — جس کا اک فدیۂ ادنیٰ پسرِ ابراہیم
باخدا مظہرِ اسرارِ خداوندِ حکیم — مالکِ ہستیٔ جاوید۔ نہ حادث نہ قدیم
جو رسالت کی سعادت ہے۔ سعید ایسا ہے
جو مشیّت کی شہادت ہے۔ شہید ایسا ہے

ہے اسی فدیۂ برحق کی دعا کا یہ اثر — آج باطل کا کوئی زور نہیں ہے حق پر
لاکھ میداں میں صف آرا ہوں یزیدی لشکر — اب نہ وہ شان نہ شوکت نہ سریر و افسر
کیا کسی کو سپہ شام سے عشق آج بھی ہے
یوں تو ہونے کو کہ لیے شہر دمشق آج بھی ہے

کیوں نہ ہو زندہ جاوید عزائے شبیر   اک یہی تو ہے حیاتِ ابدی کی تفسیر
ذکرِ قاتل سے کہاں ہوتی ہے دل کی تسخیر   ذوقِ ہمدردیٔ مقتول کا ہے عالمگیر

وقت ہر درد کی تاثیر گھٹا دیتا ہے
جذبۂ ماتمِ مظلوم بڑھا دیتا ہے

حق پرستی کا جو شیوہ ہے بزیرِ شمشیر   ہے اسی درس کی تکمیل عزائے شبیر
کس قدر ہے بخدا شاہ کا غم پُرتاثیر   جس کی تدبیر میں سرگرم مذاقِ تقدیر

جوش یہ ہے دلِ خُلّت کے عزاداروں میں
کود پڑتے ہیں دہکتے ہوتے انگاروں میں

یادِ خنجر میں جو ہوتے ہیں زیادہ بے چین   سر پہ تلواریں لگاتے ہیں دمِ شیون و شین
کر کے زنجیر کا ماتم بہ تولّائے حسین   سرخرو خوں میں نہا کر ہیں جہاں کے مابین

یہی زنجیر ہے دوزخ کی رہائی کے لیے
سلسلۂ خوب ملا عقدہ کشائی کے لیے

نہ انہیں زیست کی پروا ہے نہ مرنے کا خطر   کیوں نہ ہو۔ اُس کے ہیں پیرو جو مجاہد تھا نڈر
جس کی تعلیم نے بچوں پہ کیا تھا یہ اثر   سر کٹانے کے لیے دشت میں تھے خاک بسر

نازشِ حوصلۂ خنجرِ قاتل ٹھہرے
ناز یہ تھا کہ ہم اس ناز کے قابل ٹھہرے

ان دلیروں کا ہے غم دین کی شوکت کے لیے   لڑ گئے موت سے جو حق کی حفاظت کے لیے
صرف بخشش کے لیے ہے نہ شفاعت کے لیے   یہ تمدّن کا سبق ہے بشریّت کے لیے

اسی غم نے تو محبّت کی ترازو بخشی
اسی ماتم نے ہمیں قوّتِ بازو بخشی

غم سے ہم کو وہ ملا ولولۂ خود داری   موت ہے جس کے سبب اپنی نظر میں پیاری
بس اسی غم میں دلوں پر ہے یہ جذبہ طاری   سرِ تسلیم ہے خم جو بھی رضائے باری

رونے والے ۔ غمِ شبیر میں جی کھول کے رو
دل کو میزانِ محبت میں مگر تول کے رو

رو ۔ کہ یہ اشک ہیں تسبیحِ عمل کے گوہر ۔ رو ۔ کہ یہ گریۂ پیہم ہے بصیرت پرور
رو ۔ کہ ہنسنا ہی نہیں مقصدِ تخلیقِ بشر ۔ رو ۔ کہ خنداں ہیں کج اندیش ترے گریہ پر
جن کی بیگانہ روش خلق کو رُلواتی ہے
آج ان کو ترے رونے پہ ہنسی آتی ہے

غیر تھے پہلے تو اربابِ ولا سے بیزار ۔ اب تو اپنے بھی ہیں کچھ رسمِ عزا سے بیزار
ہاتھ ماتم سے خفا ۔ آنکھ بکا سے بیزار ۔ دعویٔ عشقِ نبی ۔ آلِ عبا سے بیزار
اُلفتوں کا یہ تراشا ہے نیا شیوہ خوب
باپ کے دوست اور اولاد کے دشمن کیا خوب

عذر یہ ہے کہ یہ ہنگامۂ فریاد و فغاں ۔ عہدِ حاضر میں نہیں اہلِ ہمم کے شایاں
مُنہ بناتے ہیں جو ہوتا ہے عقائد کا بیاں ۔ آیتوں میں جو چُنیں ہے تو حدیثوں میں چُناں
وہ صدا حق ہے جو بے تارِ جلی آتی ہے
وہ غلط عرش سے جو نادِ علیؑ آتی ہے

مادّیت کو جو ہے ان کی نظر میں ترجیح ۔ ذکرِ اصلاح پہ مرتے ہیں یہ ملّت کے مسیح
بوعلی کا جو سنیں قول تو فرمائیں صحیح ۔ معجزہ ہو جو علی کا تو یہ جائیں تفریح
اعتقادات کو کمزور کیے جاتے ہیں
زندگی کہہ کے سوئے موت لیے جاتے ہیں

ذہن ان کو جو سُجھاتا ہے رہِ ناہموار ۔ وقت کی اس کو یہ ہر وقت بتاتے ہیں پکار
کون عاقل ہے جو اس بات پہ ہوگا تیار ۔ وقت کا ہو جو تقاضا تو بدل دو کردار
بات بدلیں گے وہی ذات کے جو بیٹے ہیں
وقت کا ساتھ وہ دیں وقت کے جو بیٹے ہیں

مجلسِ درد ہے یہ بزمِ کلامی تو نہیں ۔ پختگی کی ہے جگہ ذوق کی خامی تو نہیں
وقت کو دیکھیں گے ہم کوئی وشامی تو نہیں ۔ وقت دم بھر کا ہے مہماں دوامی تو نہیں
ابدیت تو عقیدے کی صفت، ذاتی ہے
وقت اک موج ہے جو آتی ہے اور جاتی ہے

ذکرِ جاوید کہاں وقت کی تقریر کہاں
یادِ مظلوم کہاں بحث گلوگیر کہاں
ان مباحث میں غم و درد کی تاثیر کہاں
یہ نہیں جب تو بھلا مجلسِ شبیر کہاں
مادّی فکر، کوئی ذکرِ حقیقت تو نہیں
بزمِ ماتم ہے یہ میدانِ سیاست تو نہیں

اک نئے رنگ سے بہتر ہے کہ ہو ذکرِ شہید
جوش کھاتا رہے دریائے مضامین مفید
غم کے مقصد میں نہ شامل ہو مگر ذوقِ جدید
نظریّہ کا تغیّر ہے فنا کی تمہید
چشمِ خونبار سے توام ہے خیالِ مجلس
آہ و زاری ہے بہر حال مآلِ مجلس

قابلِ غور ہے یہ بعض مجالس کا نظام
جن کا آغاز حسین اور تمدّن انجام
نہ عقائد سے غرض ہے نہ بکا سے کوئی کام
یہی مجلس ہے تو اس مرثیہ خوانی کو سلام
ضمن میں آئے مصائب تو پڑھے دب دبکے
آپ کے حال پر آنسو نکل آئے سب کے

جب کوئی نکتہ دلچسپ زباں پر آیا
جس نے مجلس کی طبیعت کو ذرا گرمایا
داد لوگوں سے ملی۔ اجرِ فصاحت پایا
بہرِ تسلیم جھکے۔ ختمِ سخن فرمایا
حسرتیں آئی تھیں فردوس سے کیا کیا لے کر
فاطمہ اُٹھ گئیں اشکوں کی تمنا لے کر

یوں الٹتے ہیں جو تاریخ زمانہ کے ورق
منظرِ غم پہ نہ روئیں نہ رلائیں مطلق
ذکرِ تاثیر و تاثر کا نہیں ان کو حق
سنگدل۔ سیرتِ مظلوم سے کیا لیں گے سبق
عصرِ حاضر روشِ آلِ عبا کیا جانے
مرغِ آزاد اسیری کا مزا کیا جانے

اتنی اصلاح تھی جائز کہ ثناخوان و خطیب
ذکرِ سیرت میں تاسّی کی دلائیں ترغیب
یہ طریقہ ہے مگر مجلسِ ماتم کا عجیب
کم ہو حالِ شہدا۔ بیش خیالِ تہذیب
گر یہی رنگ ہے تہذیب کے دیوانوں کا
پھر تو اللہ ہی حافظ ہے عزاخانوں کا

یہی انداز رہا ذوقِ تمدن کا اگر مجلسیں ختم ہوئیں قوم کی اصلاحوں پر
نہ فقط جذبۂ تبلیغ کو پہنچے گا ضرر اپنے اس طرز میں ہیں اور بھی خطرے مضمر
حد سے ہم مجلسِ غم کی جو نکل جائیں گے
پھر تو قانون کے تیور بھی بدل جائیں گے

ہے ابھی تک تو یہ اربابِ حکومت کا خیال اپنے مظلوم کو رونا ہے مجالس کا مآل
ختم ہو جائے گا جب گریہ و ماتم کا سوال ہو گی ہر بزمِ عزا غیر کے جلسے کی مثال
دخل دے بیٹھیں گے حکام عزا خانوں میں
قفل پڑ جائیں گے تبلیغ کے کاشانوں میں

رونے والے روشِ غم پہ رہے تیرا عمل شورِ گریہ سے زمانے میں مچا دے ہلچل
لاکھ دنیا یہ کہے جائے کہ رفتار بدل تو مگر اپنی جگہ سے صفتِ کوہ نہ ٹل
جان و دل ہیں غمِ شبیر میں کھونے کے لیے
تو نہ روئے گا تو کون آئے گا رونے کے لیے

جن کی نظروں سے حقیقت ہے عزا کی مستور مَنْ بکیٰ پر جو ہنسیں وہ تو نہ ہو نا رنجور
کہتے ہیں رونے رلانے میں تصنع ہے ضرور واہ کیا فہم و نظر رکھتے ہیں چشمِ بد دورا
لاکھ مجبور ہمیں کیجیے کب روتے ہیں
چوٹ جب قلب پہ لگ جاتی ہے تب روتے ہیں

جو نہ مقصودِ غمِ دلبرِ حیدر سمجھے مصلحت کلمۂ اَبکیٰ کی وہ کیونکر سمجھے
اشک تمہیدِ عمل ہیں ۔ دلِ مضطر سمجھے جو نہ سمجھے تو خدا سمجھے پیمبر سمجھے
عزمِ اصلی تو ہے اعمال میں سرگرمی کا
اک بہانہ ہے بکا دل کے لیے نرمی کا

جن کا شیوہ ہے بہر حال مخالف ہونا سمجھے مفہوم تباکی بہ تکلف رونا
نقدِ فرصت ہے عبث، بحثِ غلط میں کھونا خود زرِ علم کے نقاد پرکھ لیں سونا
جبکہ آنسو نہ بہیں خلق کی عادت ہے یہی
غم کے ماحول میں انسان کی فطرت ہے یہی

ہے تباکی سے یہ مقصود کہ اربابِ عزا — مجلسِ غم میں سُنیں غور سے ذکرِ شہدا
جس طرح موت کے گھر میں کوئی پُرسے کو گیا — مرنے والے کے عزیزوں میں ہُوا شورِ بکا
آہ وفریاد وہاں دل سے جو ٹکراتی ہے
شکل رونے کی بناتا نہیں، بن جاتی ہے

نکتہ چینو! تمھیں معلوم ہے مفہومِ ریا — یعنی وہ طاعتِ حق جس میں نہ ہو صدق وصفا
حرصِ زر یا ہوسِ جاہ میں تسبیحِ خدا — دین کا کام بہ اُمّیدِ حصولِ دُنیا
یاں تباکی میں ریا کیا ہے؟ تصنّع کیا ہے
چند اشکوں کے سوا زر کی توقع کیا ہے

اس روایت کی وضاحت ہو اگر مدِّنظر — ترجمہ یہ ہے کہ جو روئے اُرلائے دم بھر
یا شریکِ غمِ سرور ہو بہ قلبِ مضطر — ہے یہ واجب کہ ہوں وا اُسکے لیے خلد کے دَر
مگر اُس کے کہ حق شاہ کا پہچان بھی لے
روکے جس کے لیے دے جان اُسے جان بھی لے

دور ہے جس کی نظر سے یہ عزا کا پیغام — اس کی لفظوں پہ کرے غور بہ ادراکِ تمام
یاں تباکی جو ہے مشروط بعرفانِ امام — عقل کہتی ہے کہ ہے عارفِ صادق کا کلام
یوں تو رونے کو عدو کھینچ کے خنجر روئے
رونا ان کا ہے کہ جو سوچ سمجھ کر روئے

ایسی فطرت ہے نرالی غمِ شہ کی بخدا — شمر کو بھی جو رلا دیتی ہے بے قصدِ بکا
جس سے ہو سکتا ہے قاتل پہ محبّ کا دھوکا — اس روایت نے کیا نور سے ظلمت کو جدا
دامنِ جامۂ عرفاں میں اگر جھول نہیں
رونے والے کے پھر اشکوں کا کوئی مول نہیں

مَن بکیٰ میں ہے جنھیں بحث ونظر کی عادت — حکمِ ابکیٰ کو جو کہتے ہیں خلافِ فطرت
ضدِ تباکی سے جنھیں، اور بکا سے نفرت — مضحکہ جن کی نظر میں ہے وجوبِ جنت
زورِ تقریر سے جلسوں کو ہلا دیتے ہیں
شرطِ عرفاں کو روایت میں بھلا دیتے ہیں

نفسِ مطلب سے وہ اس بحث میں ہو کر غافل / حق کی تکذیب میں لاتے ہیں کلامِ باطل
عزمِ معصوم تو یہ ہے کہ وہی ہیں عاقل / معرفت جن کو ہے حقِ شہدا کی حاصل
جن کے آنسو شرفِ خونِ وفا جانتے ہیں
حق تو یہ ہے کہ وہی حق کو بھی پہچانتے ہیں

یہ روایت ہے تصنع کی حدوں سے بالا / ہے جو مشروط بہ عرفان امام والا
دل یہ کہتا ہے مگر جوشِ عقیدت دلا / جس نے ہے فطرتِ اسلام کو دیکھا بھالا
وہ بھی مومن ہے جو دل سے بہ تاسف روئے
وہ بھی حق پر ہے جو از راہِ تکلف روئے

معترض ہے جو تکلف پہ نگاہِ کوتاہ / حق کے اسرارِ عبادت سے ہے نافل گمراہ
چند ہی ایسے تو ہیں بندۂ مومن واللہ / طاعتِ حق پہ جو مائل ہیں بقلبِ آگاہ
غیر عارف کو عبادت کا جو پھل ملتا ہے
ہر تکلف پہ اُسے اجرِ عمل ملتا ہے

احترام رمضاں سو ہو عیاں۔ مہر صفت / یہ تصنع بھی ہے مفروض خدا کی طاعت
صوم ہو یا کہ نہ ہو۔ پھر بھی ز راہِ حرمت / فرض ہے یہ کہ ہو روزے کی بظاہر صورت
شکل ایسی جو بناوٹ سے بنا لیتا ہے
بخدا اس کو خدا اِس کی جزا دیتا ہے

رمضاں کا تو یہ رتبہ یہ فضیلت یہ حشم / ہدفِ طعن بنے فدیۂ توحید کا غم
شکل روزے کی بنائیں تو ہو خالق کا کرم / شکل رونے کی بنائیں تو سرا سر ہو ستم
واں تصنع بھی عنایت کا سبب ہو جائے
اِس جگہ اشک بھی ٹپکے تو غضب ہو جائے

بعض اربابِ زمانہ کی یہ سنیے جدت / کلمہ گو کہتے ہیں ذکرِ شہدا کو بدعت
گو کہ مانے ہوئے ہیں سبطِ نبی کی عظمت / جہلِ علم اس کا ہے موجب کہ یہ رکھ دی تہمت
سب وہ بے سود ہے جو فکر و نظر رکھتے ہیں
علمِ قرآں نہ حدیثوں کی خبر رکھتے ہیں

تھی نہ میلاد کی عہدِ نبوی میں محفل ۔۔۔ پھر بھی اسلام میں اس کو عظمت ہے حاصل
خود ہیں اس بات کے شافعی و سیوطی قائل ۔۔۔ ہے یہ بدعتِ حَسَنہ، حسنِ عمل میں داخل

لوگ نانا کی جو محفل کو بجا کہتے ہیں
ہم بھی مجلس کو نواسے کی رَوا کہتے ہیں

بدعتیں ایسی ہزاروں ہیں بحدِ ایماں ۔۔۔ جو نہیں موجب تحریف مفاد قرآں
عہدِ حضرت میں نہ تھا ان کا کہیں نام و نشاں ۔۔۔ ذکر حرمت کا ہے کیا بعض تو واجب ہیں یہاں

جدّتیں ایسی ہر اک عہدِ حکومت میں ہوئیں
چند وہ بھی ہیں جو ایامِ خلافت میں ہوئیں

سنت حضرتِ فاروق سے سب ہیں آگاہ ۔۔۔ آپ نے کی تھی مقرر فقہا کی تنخواہ
یہ اذاں میں ہیں مِنَ النَّوم کے بانی واللہ ۔۔۔ جذبۂ ذوق عمل پر ہے تراویح گواہ

گو کہ یہ آپ کے احکام کہے جاتے ہیں
پھر بھی منجملۂ اسلام کہے جاتے ہیں

صاف لکھا ہے یہ عثمانِ غنی کی نسبت ۔۔۔ آپ نے جمعہ کو دیکھا جو ہجوم خلقت
شوق میں بھر کے موذن سے یہ بولے حضرت ۔۔۔ خوب ہے آج تو تکرارِ اذاں کی بدعت

مسجدوں میں یہ نئی بات وہاں ہوتی تھی
تیسرے دَور میں دوبارہ اذاں ہوتی تھی

کیوں ہے نظروں میں ان احکام کی آخر توقیر ۔۔۔ دفترِ عہدِ رسالت میں یہ کب ہیں تحریر
جو یہ کہتے ہیں کہ بدعت ہے عزائے شبیر ۔۔۔ کیا ان احکامِ خلافت کی کریں گے تکفیر؟

یا تو ہر حکم کو کہہ دو کہ یہ ناجائز ہے
ورنہ مانو سرِ مجلس کی عزا جائز ہے

بعض کہتے ہیں یہ از راہِ دلیل و حجت ۔۔۔ خلفا کا بھی طریقہ ہے نبی کی سنت
یہ اگر سچ ہے تو کیوں ابن عمر نیک صفت ۔۔۔ اِس مِنَ النَّوم کو کہتے تھے پدر کی بدعت

نہ کسی غیر سے منقول حکایت یہ ہے
ترمذی جیسے محدّث کی روایت یہ ہے

بدعتیں چند ہیں سارے علما کو تسلیم　　جیسے پاروں میں کتاب احدی کی تقسیم
جمع آیات پھر اعراب کی اُن پر ترقیم　　نقش گل بوٹوں کے مسجد میں یہ حُسنِ تنظیم
طوف کعبہ کے عوض۔ عقل ہے اس چکر میں
کیسے یہ چار مصلے ہیں خدا کے گھر میں

بدعتیں جبکہ یہ جائز ہیں بحکمِ علما　　علَم و تعزیۂ شہ میں قباحت پھر کیا
شکل روضے کی یہ ہے اور وہ علم کا نقشا　　دونوں تصویریں ہیں بیجان کی دونوں ہیں روا
کیوں کہیں ہم کہ ہمارا ہی بیاں کافی ہے
پر بخاری کی روایت تو یہاں کافی ہے

خود بخاری کے مولف نے کیا ہے ترقیم　　زرہ و مرکب و شاہی کی ہے واجب تعظیم
آہ شاہوں کے شعائر کی تو اتنی تکریم　　علَم و تعزیۂ شاہ سے یہ بغضِ قدیم
کیوں نہ ہو۔ اُن کے خزانوں سے صلا ملتا ہے
جز خدا۔ دین کے سلطان سے کیا ملتا ہے

ہے مدارج میں یہ مضمون وضاحت سے رقم　　ایسے اعمال بکثرت ہیں۔ شریعت کی قسم
شوکتِ دیں کے سبب آج ہیں نظروں میں اہم　　ورنہ مکروہ سمجھتے تھے انہیں۔ پہلے ہم
کیا عزائے شہدا قابلِ اکرام نہیں
شان اس کی سببِ شوکتِ اسلام نہیں

بعض رکھتے ہیں یہ سامان عزا پر الزام　　اس میں کفار کے فعلوں سے تشابہ ہے تمام
گر ہے تشبیہ و تماثل کے لیے حکم یہ عام　　پھر تو خود شبہ میں پڑ جائیں گے کفر و اسلام
صورت مومن و کافر میں کوئی فرق نہیں
فرق باطن کا ہے۔ ظاہر میں کوئی فرق نہیں

کم نہیں مسلم و کافر کا یہ رشتہ زنہار　　ہے ادھر ہاتھ میں تسبیح اُدھر ہے زُنّار
یہ وضو کرتے ہیں۔ اشنان سے ان کو سروکار　　دھیان اور گیان وہاں۔ جذب و سکوں اِن کا شعار
نقش قشقے کا وہاں کفر کی پیشانی پر
مُہر سجدے کی یہاں جبہۂ نورانی پر

بات تو ایک ہے۔ گو ایک نہیں طرزِ بیاں
شورِ ناقوس اُدھر ہے تو اِدھر شورِ اذاں
اعتکاف اِن کی طرف ترکِ جہاں اُن کے یہاں
ان کو ناسود سے غرض۔ بت کی پرستش ہے وہاں
شکل تو ملتی ہے۔ گو ان کا طریقہ کج ہے
یاترا وہ جسے کہتے ہیں وہ اپنا حج ہے

ظاہرا بادۂ عرفاں کے ہیں دونوں پیاسے
یہ جو زمزم سے ہیں سیراب۔ تو وہ گنگا سے
ہے عبادت سے کہیں کام کہیں پوجا سے
ان کو یثرب سے عقیدت ہے انہیں متھرا سے
ہے جو تفریق تو بس نسبتِ روحانی کی
ورنہ جو بھینٹ کی صورت وہی قربانی کی

جب یہ ثابت ہے کہ جائز ہے تشابہ ایسا
جس پہ صدیوں سے مسلمان ہیں عامل بخدا
پھر عزاداریِ مظلوم سے پرخاش ہے کیا
تعزیہ۔ صورتِ تابوتِ جنابِ موسیٰ
کفر سے جس میں تشابہ وہ قرینا جائز
جو رسولوں سے مشابہ وہ عمل ناجائز

یہ بھی فرماتے ہیں اکثر۔ کہ عزاخانۂ شاہ
ہے وہ بدعت کہ روایات نہیں جس کی گواہ
آنکھوں والوں نے جو یعقوب سے پھیری ہو نگاہ
لب پہ قرآں ہے۔ نہیں بیتِ حزَن سے آگاہ
رشکِ یوسف کی مجالس کا جو کاشانہ ہے
ترجمہ "بیتِ حزَن" کا یہ عزاخانہ ہے

خود "مدارج" کے مصنف نے کیا ہے تحریر
فاطمہ تھیں جو بہت ہجرِ پدر میں دلگیر
نالۂ درد کے شاکی تھے امیر اور فقیر
غم کدہ گھر سے کیا دور علی نے تعمیر
واں پدر کے لیے گریاں تھیں جو ویرانے میں
یاں پسر کے لیے روتی ہیں عزاخانے میں

امتِ ختمِ رسل میں ہے یہ بعضوں کا خیال
آہ و فریاد نہیں حق کی شریعت میں حلال
رد میں ہم اپنی طرف سے کوئی کیوں لائیں مثال
جبکہ قرآں میں ہے خود گریۂ یعقوب کا حال
قولِ معبود سے جب شانِ بکا ظاہر ہے
اس کی عظمت سے جو انکار کرے کافر ہے

کس کو معلوم نہیں شانِ جنابِ آدم دو صدی فرقتِ حوا میں بہے اشکِ الم
خاک اڑاتے ہوئے پھرتے تھے بصد صورتِ غم وہ جو تڑپیں بھی تو حق، روئیں بھی گر ہم تو ستم
جرم کیا گر شہدا کو کوئی مضطر رو دے
کرکے ماتم غمِ حمزہ میں پیمبر روئے

راویِ صدق بیاں نے یہ لکھا ہے برقم مرثیہ شہ کا کیا ابنِ ہبا نے جو رقم
خواب میں کہہ گئے خود اس سے رسولِ اکرم حق نے بخشا تجھے انصارِ حسینی کا حشم
ابنِ جوزی کی جواہر سے یہ دُر پایا ہے
موتی جھوٹا نہیں سچوں نے یہ فرمایا ہے

قول ہے صاحبِ جامع کا یہ ہے صاف عیاں عہدِ ثانی میں ہوئے قبر میں خالد جو نہاں
عورتیں پیٹ کے سر کرتی تھیں پُر درد بیاں بال تھے بکھرے ہوئے چاک تھے جیب و داماں
کچھ بھی اس طرزِ عمل میں جو قباحت ہوتی
پھر تو دُرّوں سے خلیفہ کے قیامت ہوتی

ہے بخاری میں یہ اک حادثۂ غم مذکور غزوہ ایک تڑپتا تھا پیمبر کے حضور
نوچتا تھا جو وہ بالوں کو بقلبِ رنجور منع کر دیتے نبی کچھ بھی یہ ہوتا جو قصور
وہی ماتم ہے نہ تھے جس کے پیمبر مانع
ہم نہ مانیں گے جو ہو امتِ خود سر مانع

عینِ ایماں ہے مسلماں کے لیے حق کی قسم یہی گریہ۔ یہی زاری۔ یہی ماتم۔ یہی غم
بیہقی نے بھی بہ تحقیق کیا ہے یہ رقم خود نواسے کے لیے روئے رسولِ اکرم
چاہو تصدیق اگر اور کسی عالم سے
پوچھ لو ترمذی و دیلمی و حاکم سے

ان بزرگوں نے لکھا ہے زرہِ خیر و صواب امِ سلمہ نے یہ عاشور کو خود دیکھا خواب
شدتِ غم سے رسولِ دوسرا ہیں بیتاب خاک آلودہ جو زلفیں ہیں تو آنکھیں پُر آب
غمِ شبیر میں سلطانِ امم روتے ہیں
ہے اسی خواب کی تعبیر کہ ہم روتے ہیں

یا تو مانو کہ یہ راوی ہیں سراسر کاذب — یا جو رونے کا مخالف وہ مُقرر کاذب
یا کہو سارے کتابوں کے ہیں دفتر کاذب — یا یہی کہہ دو کہ ازواجِ پیمبر کاذب
اب تو یہ مان لو شبیر کو حضرت روئے
جب نبی روئے تو سنت ہے کہ امت روئے

ہیں جو رونے کی فضیلت کے جہاں میں منکر — شرف گریہ ہے خود ان کی کتب سے ظاہر
کوئی مظلوم سے جلنے کا سبب بھی آخر؟ — یہ تو وہ غم ہے کہ جس غم میں ہیں گریاں کافر
نیم جاں غم سے بھلا جان نہ کھوئے کیونکر!
کوئی مرجائے کسی کا تو نہ روئے کیونکر

مرنے والا بھی پھر ایسا کہ محمد کا جگر — تشنہ و بیکس و مظلوم و غریب و بے پر
جس نے اک دن میں سہے داغ بہتر دل پر — چل گیا جس کے گلے پر دمِ سجدہ خنجر
ذکر ماتم کا تو کیا فکرِ کفن ہو نہ سکی
جس کے لاشے پہ بھی جی بھر کے بہن رو نہ سکی

گر کبھی قید میں دکھیا نے کیا قصدِ بکا — خولی و شمر کے دُرّوں سے ہوا حشر بپا
اشک آنکھوں کے رُکے جسم سے خوں بہنے لگا — رہ گئی تھام کے دل خواہرِ شاہِ شہدا
مطمئن ہو کے نہ زنداں میں دم بھر روئی
قید سے چھوٹ کے نانا کی لحد پر روئی

پھر مدینہ میں اسیرانِ ستم آتے ہیں — سختیاں جھیل کے پابندِ اَلَم آتے ہیں
فاقہ کش، اہلِ عزا، کشتۂ غم آتے ہیں — گھر لُٹا کر شہِ بیکس کے حرم آتے ہیں
یوں سفر میں نہ عزیزوں سے چھٹے گا کوئی
یوں جہاں میں نہ لُٹا ہے نہ لُٹے گا کوئی

راہ میں اہلِ حرم رو کے یہ چلّاتے ہیں — اے مدینے تجھے ہم چھوڑ کے غم کھاتے ہیں
شہ سے چھٹنے کی یہ غیرت ہے کہ تھراتے ہیں — پاؤں اٹھتا نہیں، ہم جیتوں سے شرماتے ہیں
یہ ندامت ہے کہ سر پر شہِ عادل نہ رہے
ہائے ہم منہ کے دکھانے کے بھی قابل نہ رہے

کوئی کہتی ہے کہ ہے ہے مرا پیارا نہ رہا
کوئی کہتی ہے مرا راج دلارا نہ رہا
دل کی تسکین ضعیفی کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

کوئی کہتی ہے کہ کس طرح کے غم کھاؤں گی
اب میں اس شہر میں بیاروں موئی کہلاؤں گی

دشت میں فاطمہ کے لال کو میں کھو آئی
قاسم و اکبرِ ناشاد کو بھی رو آئی
لاشِ عباس پہ مُنہ آنسوؤں سے دھو آئی
ہائے کیوں جیتی ہوئی پھر کے میں گھر کو آئی

مال و زر کچھ نہ رہا لُٹ کے اِدھر کو پلٹی
ہاتھ خالی میں یداللہ کے گھر کو پلٹی

ہائے یاد آتا ہے اپنا وہ وطن سے جانا
وہ علمدار کا پردے کو قناتیں لانا
وہ جواں لال کا محمل کے قریں پہنچانا
وہ مرے بھائی کا ناقے پہ مجھے بٹھلانا

پردہ داری کے لیے عون تھے اور قاسم تھے
سب قناتوں پہ نگہبان بنی ہاشم تھے

ہائے ماں جائے تمہیں آج میں پاؤں کیونکر
فکر ہے سوئے وطن پاؤں بڑھاؤں کیونکر
میرے شیروں میں تمہیں ڈھونڈھ کے لاؤں کیونکر
آج میں اپنی تمہیں شان دکھاؤں کیونکر

بھانجے بھی نہیں بیٹے بھی برادر بھی نہیں
سر پہ جز سایۂ عابد کوئی چادر بھی نہیں

کیوں نہ ہر بار یہ صدمہ مرا دل تڑپائے
شیر دنیا سے اٹھے اور نہ پھوپی مر جائے
حیف صد حیف کہ تقدیر یہ دن دکھلائے
بھائی کو کھو کے یہ ہمشیر وطن میں آئے

آنکھوں کے سامنے کنبے کا لہو بہہ جاتے
سب کے رونے کو یہ پابند محن رہ جاتے

زندہ رہ کر میں عزائے شہِ صفدر میں رہوں
شیر جنگل میں ہوں۔ میں خانۂ حیدر میں رہوں
عمر بھر یادِ شہِ بیکس و بے پر میں رہوں
بھائی جس گھر میں نہ ہوں ہائے میں اس گھر میں رہوں

کیا قیامت ہے کہ آنکھوں سے یہ محشر دیکھوں
خاک اڑتے ہوئے مسند کی جگہ پر دیکھوں

گرچہ پہلے بھی ہمیشہ میں غم وہم میں رہی
رات دن رنج و مصیبت میں رہی غم میں رہی
میری تقدیر سدا خواب کے عالم میں رہی
آہ وزاری میں رہی شیون و ماتم میں رہی
باپ کو ماں کو رسولِ دوسرا کو روئی
دس برس تک حسنِ سبز قبا کو روئی

ان کے ماتم میں تو یوں دھیان بٹا لیتی تھی
اٹھ کے قاسم کو کلیجے سے لگا لیتی تھی
باپ کی یاد میں جب اشک بہا لیتی تھی
بھائی عباس کو میں پاس بٹھا لیتی تھی
میرے رونے کی مصیبت کو جو سن پاتے تھے
گھر میں آ کر شہِ دیں خود مجھے سمجھاتے تھے

پھر یونہی دل کو میں تسکین دیا کرتی تھی
علی اصغر کو کبھی پیار کیا کرتی تھی
کبھی گودی میں سکینہ کو لیا کرتی تھی
کپڑے اکبر کے کسی وقت سیا کرتی تھی
لاکھ صدموں کے عوض خونِ جگر پیتی تھی
ان کے ہی بیاہ کی حسرت میں تو میں جیتی تھی

اب کہو دل کو میں کس طرح سنبھالوں بھیا
کس کی باتوں میں غم و رنج کو ٹالوں بھیا
علی اکبر کو کہاں سے میں بلا لوں بھیا
کس کی شادی کا اب ارمان نکالوں بھیا
غیر سجاد کوئی لختِ جگر پاس نہیں
مگر اس کے بھی تو جینے کی مجھے آس نہیں

دل تڑپتا ہے کہ کچھ تم سے یہ دکھیا پوچھے
آپ بیمار ہے عابد سے کوئی کیا پوچھے
گھر کو جاتے ہوئے یہ دخترِ زہرا پوچھے
کیا کہوں اکبر و اصغر کو جو صغرا پوچھے
کیا غضب آئے گا جس وقت کہ گھر جاؤں گی
ماں نے عباس کو پوچھا تو میں شرماؤں گی

انہی باتوں میں وہ مغموم چلے جاتے ہیں
غم سے خاموش کبھی اور کبھی چلاتے ہیں
حالتیں دیکھ کے رہگیر بھی غم کھاتے ہیں
غیر شخصوں کی زباں پر بھی یہ ذکر آتے ہیں
گرچہ دنیا میں ہمیشہ نہ رہے گا کوئی
پر یہ ایذا نہ سہی ہے نہ سہے گا کوئی

ظلم سہنے سے وہ شان اور وہ شوکت نہ رہی　　تابشِ مہر سے چہروں کی وہ رنگت نہ رہی
رُخ پہ وہ حسن وہ انداز وہ صورت نہ رہی　　خوف کھا کھا کے صغیروں کی وہ عادت نہ رہی
غیر بھی ان کی طرف دیکھ کے غم کھاتے ہیں
دور سے سیلیوں کے نیل نظر آتے ہیں

راہ میں گر کسی رہ گیر نے بڑھ کر پوچھا　　کس کے ماتم میں سیہ پوش ہوئے اہلِ عزا
بولے سجادِ حزیں۔ کیا کہیں اے مردِ خدا　　ہائے مارے گئے سب۔ ذکر کریں کس کس کا
تشنہ و بیکس و مضطر کے عزادار ہیں ہم
ایک دو کیا کہ بہتّر کے عزادار ہیں ہم

گر کوئی کہتا کہ فرمائیے سردار کا نام　　ہم کو بتلائیے تو قافلۂ سالار کا نام
جس جگہ لٹ گئے اس وادیِ خونخوار کا نام　　رو کے کہتے تھے۔ مٹا بیکس و ناچار کا نام
ہم لُٹے جس میں اسے دشتِ بلا کہتے ہیں
اپنے سردار کو شاہِ شہدا کہتے ہیں

ہائے وہ رنج والم اور وہ سجاد غریب　　بہرِ تسکینِ حرم۔ غم سے وہ احوال عجیب
کبھی کلثوم کے پاس اور کبھی زینب کے قریب　　دونوں پھوپھیوں کی وہ ہر بار فغاں۔ ہائے نصیب
بھائی کی یاد دلِ زار کو تڑپاتی ہے
لو مدینہ کی عمارت وہ نظر آتی ہے

کبھی زینب کی فغاں تھی کہ میں قرباں سجاد　　کس طرح جاتے مدینے میں یہ نالاں سجاد
دل سنبھلتا نہیں صدمے سے مری جاں سجاد　　سونا گھر دیکھ کے مرجائیں گی پھوپیاں سجاد
عمہ صدقے ہمیں بے موت نہ مارو بیٹا
گھر نہ جاؤ ہمیں جنگل میں اتارو بیٹا

سن کے یہ اونٹ سے سجادِ دل افگار اترے　　محوِ ماتم حرمِ سیدِ ابرار اترے
اپنے ناقوں سے غریبوں کے عزادار اترے　　آنکھیں ملتے ہوئے بچے بھی سب اکبار اترے
دشتِ پُرخار میں پیاسوں کے مجاور ٹھہرے
خیمے برپا ہوئے۔ جنگل میں مسافر ٹھہرے

اپنا منہ ڈھانپ کے شبیر کو اک رونے لگی
خاک پر بیٹھ کے بے شیر کو اک رونے لگی
نوجواں اکبرِ دلگیر کو اک رونے لگی
اپنا سر پیٹ کے تقدیر کو اک رونے لگی
کوئی اپنے پسرِ ماہ لقا کو روئی
کوئی بابا کے لئے کوئی چچا کو روئی

واں مدینے میں کسی نے یہ خبر پہنچائی
روضۂ جد پہ اب آتی ہیں علی کی جائی
کوئی چلایا بہت پاس سواری آئی
یہ خبر سنتے ہی دلشاد ہوئے شیدائی
عورتیں کہنے لگیں دخترِ کرار پھری
شور مردوں میں ہوا۔ عترتِ اطہار پھری

نوجوانوں کو یہ شادی تھی کہ اکبر آئے
کوئی کہتا تھا کہ عباسِ دلاور آئے
غل یہ لڑکوں میں ہوا دلبرِ جعفر آئے
بچے ہنس ہنس کے پکارے علی اصغر آئے
دھوم ہر گھر میں مچی بنتِ بتول آتی ہے
پیشوائی کو چلو آلِ رسول آتی ہے

یہ خبر شہر میں ہر سمت جو مشہور ہوئی
دخترِ شاہ بھی شاداں ہوتی مسرور ہوئی
ہجر کا داغ جدائی کی بلا دور ہوئی
تپ جو ہر وقت جلاتی تھی وہ کافور ہوئی
ہنس کے دادی سے کہا لو مرے بھیا آئے
سب مرض دور ہوئے آج مسیحا آئے

قافلے میں سبھی زہرا کے گلِ تر ہوں گے
بھائی ہمشکلِ پیمبر علی اکبر ہوں گے
میرے عباس چچا آپ کے دلبر ہوں گے
میرے عاشق مرے پیارے علی اصغر ہونگے
ننھے بھائی مرے شیدا ہیں یہ سب جانتے ہیں
دیکھوں اب بھی علی اصغر مجھے پہچانتے ہیں

چار جانب جو یہ فرحت کی گھٹائیں چھائیں
شاد ہوتی ہوئی عورات محلہ آئیں
دخترِ شاہ کے پاس آ کے یہ سب چلائیں
فاطمہ تم کو مبارک کہ مرادیں پائیں
فرطِ غم میں یہ خوشی عید سے بڑھ کر ہو گی
آج پردیسیوں کی دید میسر ہو گی

کوئی صغرا سے یہ بولی کہ نہ اب دیر لگاؤ   بی بی اب اٹھ کے ذرا گھر میں نیا فرش بچھاؤ
ہم بھی خدمت کے لیے آئے ہیں کچھ کام بتاؤ   آبداروں سے کہو آبِ خنک جلدی لاؤ
تشنہ لب سب ہی محمد کے نواسے ہوں گے
دن ہیں گرمی کے۔ سفر دور کا۔ پیاسے ہوں گے

اُس طرف فاطمہ کے گھر یہ خوشی ہے پیہم   اِس طرف عابدِ مضطر ہیں اسیرِ غم و ہم
دست بستہ وہ حضوری میں بشیرِ جز لم   آپ کا رو کے یہ ارشاد کہ اے اہلِ ہمم
سب کے دل پر غمِ سرور کا اثر پہنچا دو
میرے آنے کی مدینے میں خبر پہنچا دو

اس خدا دوست نے جس وقت یہ ارشاد سُنا   نوحہ گر خاک بسر مسجدِ احمد میں گیا
دی صدا اہلِ مدینہ کو بصد آہ و بکا   تم جہاں رہتے ہو یہ شہرِ پُر انوار لُٹا
دشتِ غربت میں امامِ ازلی قتل ہوئے
خاک اُڑاؤ کہ حسین ابنِ علی قتل ہوئے

بن میں لُٹ کر حرمِ شاہِ ہدا آئے ہیں   قید سے چھٹ کے اسیرانِ بلا آئے ہیں
سر پہ وارث جو نہیں محوِ بکا آئے ہیں   آل کو لے کے فقط زینِ عبا آئے ہیں
یادِ ماضی نے بہت دل کو جو تڑپایا ہے
شہر سے دور قیام آپ نے فرمایا ہے

غل اٹھا ہائے ہدایت کا یہ انجام ہوا   نذرِ شمشیرِ جفا ہادیِ اسلام ہوا
شہر میں چار طرف آل کا غم عام ہوا   خانۂ فاطمہ صغرا میں تو کہرام ہوا
رو کے کہتی تھی۔ خبر کیا یہ زبانی آئی
ہائے کنبے کے عوض گھر میں سُنانی آئی

مجھ کو ماں بہنوں سے پھوپھیوں سے ملاؤ۔ لوگو   بھیا عابد کی مجھے شکل دکھاؤ۔ لوگو
مجھ سے روٹھے ہیں ذرا چل کے مناؤ۔ لوگو   میں بھی چلتی ہوں وہاں راہ بتاؤ۔ لوگو
ہائے کس بات پہ بیمار سے مُنہ موڑ لیا
کیا خطا مجھ سے ہوئی جس پہ کہ گھر چھوڑ دیا

بی بیاں بولیں کہ تم گھر سے نہ جاؤ صغرا
اپنی دادی ماں کے چلن کو نہ بھلاؤ صغرا
اپنے عمو حنفیہ کو بلاؤ صغرا
ہم فدا۔ ٹھیک خبر ان سے منگاؤ صغرا
ناگہاں خود وہ سوئے عابدِ ذیجاہ چلے
خاک اڑاتے ہوئے سب دوست بھی ہمراہ چلے

مضطر و مضطرب الحال وملول و دلگیر
کبھی اکبر کا تاسف کبھی ذکرِ شبیر
محوِ غم بادلِ مجروح بحالِ تغئیر
ساتھ وہ نوحہ کناں محسنِ سادات بشیر
بڑھ کے یہ محوِ فغاں زینِ عبا سے لپٹے
دوڑ کر عابدِ بیمار چچا سے لپٹے

دیر تک رو کے محمد نے یہ عابد سے کہا
فاطمہ بیٹے کے مر جائے گی اے زینِ عبا
ایک تو مرگِ پدر۔ دوسرے کنبے سے جدا
یہی بہتر ہے کہ اب گھر کو چلو۔ بہرِ خدا
سر جھکا کر یہ کہا۔ بنتِ علی سے کہیے
مجھ کو کیا عذر ہے پر آپ پھوپھی سے کہیے

رو کے وہ بولیں کہ کس طرح سے گھر جاؤں میں
بھائی کو کھو کے عزیزوں سے نہ شرماؤں میں
اس پہ یہ قہر کہ لاشہ بھی نہ دفناؤں میں
گھر کی جو زیب تھے اب ان کو کہاں پاؤں میں
اب کبھی گھر کی طرف رُخ نہ کروں گی بھیا
میں اسی دشت میں رو رو کے مروں گی بھیا

کس طرح غمکدۂ بنتِ پیمبر میں رہوں
بھائی کو کھو کے مکانِ شہِ صفدر میں رہوں
کوئی وارث نہ ہو میں خانۂ حیدر میں رہوں
پھر کہو کس کے سہارے پہ میں اس گھر میں رہوں
رو کے وہ بولے کہ اچھا نہ ابھی گھر چلیے
پُرسہ دینے کے لیے قبرِ نبی پر چلیے

سن کے یہ دشت سے مغموم و دلافگار چلے
خیمے اونٹوں پہ لدے۔ شہ کے عزادار چلے
محملوں میں شہِ مظلوم کے زوّار چلے
سوئے روضۂ حرمِ احمدِ مختار چلے
ہموطن دل پہ شہیدوں کا الم لے کے چلے
آگے سجاد۔ سیہ ایک علَم لے کے چلے

بین کرتی ہوئی جاتی تھی یہ بنتِ زہرا
ہائے مظلوم اخی میں تیری غیرت کے فدا
جس طرح وقتِ سفر اونٹ پہ بٹھلایا تھا
اب اسی طرح مجھے آکے اُتارو بھیا
اسی صورت سے مزارِ شہِ دیں تک پہنچی
نوحہ کرتی ہوئی روضہ کے قریں تک پہنچی

قبرِ احمد پہ جو آئے یہ اسیرانِ بلا
پیٹ کے سر کو ہوئے ضعف سے غش زین عبا
رو کے زینب یہ پکاری کہ دوہائی نانا
یا نبی آپ کی امت نے ہمیں لوٹ لیا
بھائی مارے گئے اور عترتِ اطہار لُٹی
شہ کا دربار لُٹا آپ کی سرکار لُٹی

ظالموں نے مرے بھیا کی قبا بھی لوٹی
بارگاہِ حرمِ شیرِ خدا بھی لوٹی
قید بھی مجھ کو کیا میری ردا بھی لوٹی
شہ کی دستار بھی مسند بھی عبا بھی لوٹی
پرزے پرزے یہ مرے بھائی کا جامہ لیجے
خوں میں ڈوبا ہوا اپنا یہ عمامہ لیجے

ناگہاں شور ہوا باپ کی شیدا آئی
محوِ ماتم وہ مریضِ شہِ والا آئی
لو وہ روتی ہوئی ہم صورتِ زہرا آئی
بی بیو حشر ہوا فاطمہ صغرا آئی
پاس آکر نہ وہ ماں سے نہ چچی سے لپٹی
دوڑ کر قبرِ پیمبر پہ پھوپھی سے لپٹی

رو کے چلائی۔ میں واری شہِ صفدر ہیں کہاں
اے پھوپھی جلد کہو آپ کے دلبر ہیں کہاں
قاسم و اکبر و عباسِ دلاور ہیں کہاں
کوئی بتلاؤ مرے ننھے برادر ہیں کہاں
ہیں کدھر چھوٹی بہن یہ تو بتاؤ لوگو
مجھ کو نادانِ سکینہ سے ملاؤ لوگو

رو کے زینب نے کہا ہائے لُٹا گھر بی بی
ذبح مقتل میں ہوئے سبطِ پیمبر بی بی
مر گئے اکبر و عباسِ دلاور بی بی
تیر کھا کر ہوئے بسمل علی اصغر بی بی
قید خانے میں فلک نے یہ جفا کی صغرا
سیلیاں کھا کے سکینہ نے قضا کی صغرا

ناگہاں آکے یہ فضّہ نے خبر دی رو کر
بی بیو آتے ہیں اب بنتِ علی کے شوہر
یہ سخن سنتے ہی زینب نے کہا پیٹ کے سر
جلد آجاؤ مرے عون و محمّد ہو کدھر
فرطِ غیرت سے عجب حال ہے میرا بچّو
تم کو پوچھیں تو کہو۔ اُن سے کہوں کیا بچّو

بَن میں منہ اشکوں سے دھو آئی۔ کہوں گی کیونکر
تم کو پردیس میں کھو آئی۔ کہوں گی کیونکر
خوں بھرے لاشوں پہ رو آئی۔ کہوں گی کیونکر
گھر کو صاحب کے ڈبو آئی۔ کہوں گی کیونکر
کیسے سمجھاؤں گی تغیّر جو حالت ہو گی
نیل شانوں کو جو دیکھے تو قیامت ہو گی

ناگہاں شوہرِ زینب بدلِ زار آتے
محوِ غمِ لختِ دلِ جعفرِ طیّار آئے
شہ کی فرقت میں جو مغموم و دلافگار آئے
سر کو نہوڑائے ہوئے جانبِ بیمار آئے
بڑھ کے شبیر کے نازوں کے پلے سے لپٹے
ہائے سجاد کہا اور گلے سے لپٹے

رو کے بولے مرے فرزند میں تم پر قرباں
حیف مارے گئے غربت میں امامِ دوجہاں
رو کے عابد نے کہا ہائے مرے عمّو جاں
آپ کا گھر بھی لُٹا ہو گئے بچے قرباں
آہ بھر کر کہا غم اُن کا نہ کھاؤ بیٹا
میں فدا اُن کے لیے دل نہ کڑھاؤ بیٹا

وہ پسرِ دلبرِ شبر سے زیادہ تو نہ تھے
میرے بچے علی اکبر سے زیادہ تو نہ تھے
بھائی عباسِ دلاور سے زیادہ تو نہ تھے
گرچہ کمسن تھے پر اصغر سے زیادہ تو نہ تھے
ذکر کیا اُن کا غلامِ پسرِ زہراؑ تھے
جب حسینؑ اٹھ گئے پھر عون و محمد کیا تھے

اُن کے مرنے کی مری جان ضرورت کیا ہے
میں بھی قربان ہوں بچوں کی حقیقت کیا ہے
یہ تو بتلاؤ مگر تم کو اذیت کیا ہے
کس پہلو تمہیں راحت نہیں۔ کلفت کیا ہے
غم تمہارا دلِ بیتاب کو تڑپاتا ہے
پشت پر ہاتھ ہر اک بار کیوں جاتا ہے

بولے سجاد نہ کچھ پوچھیے اے عمو جان ہم پہ جو ظلم ہوئے آہ وہ کیونکر ہوں بیاں
رو کے بولے کہ بھلا کچھ تو کہو میں قرباں سر جھکا کر کہا خود دیکھ لیں حضرت یہ نشاں
تن سے زخمِ ستمِ فرقۂ بدعت نہ گئے
آج تک پشت سے درّوں کے جراحت نہ گئے

پشت دیکھی تو کہا ہائے یہ کیا اے سجاد یہ مرض اور یہ صدمے یہ بلا اے سجاد
یہ تنِ زار یہ درّوں کی جفا اے سجاد تم نے کیا صبر کیا ہے بخدا اے سجاد
عرض کی اور بھی اک زخم عیاں ہے عمو
طوقِ آہن کا گلے میں بھی نشاں ہے عمو

وہ گلا چوم کے بولے کہ میں قرباں سجاد فخرِ یوسف ہو وقارِ مہِ کنعاں سجاد
یہ کڑی جھیل نہ سکتے شہِ مرداں سجاد مگر اک فکر غضب کی ہے مری جاں سجاد
گرچہ گھر لٹ گیا کس کس کی شہادت نہ ہوئی
پر نبی زادیوں کی تو کوئی ذلت نہ ہوئی

رو کے چلائے کہ جب شاہ پہ تلوار پھری ہائے ہم سے نگہِ چرخِ ستمگار پھری
ننگے سر آلِ پیمبر سرِ بازار پھری بال بکھرائے ہوئے زینبِ ناچار پھری
یہ غضب سن کے نہ سنبھلا گیا تھرا کے گرے
شوہرِ بنتِ علی خاک پہ غش کھا کے گرے

بس نسیم جگر افگار کہ ہے شورِ بکا فاطمہ روتی ہیں مجلس میں یہ ہے وقتِ دعا
عرض کر بارگہِ حق میں کہ ربِّ دوسرا بخش دے میرے اب و جد کو طفیلِ شہدا
دونوں دیندار بھی تھے زہد و ابرار بھی تھے
مرثیہ گو بھی تھے ذاکر بھی عزادار بھی تھے